© rasailojaraid.com

مطالعہ کتاب

خطوط مودودیؒ۔ ایک تاثراتی مطالعہ

دوسری قسط

پروفیسر خورشید احمد

آرزوئے دل

سید مودودی کے دل کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ جی جان سے غلبہ دین کے لیے جدوجہد کریں۔ ان کی دیرینہ تمنا تھی کہ: ”کوئی چوٹ خدا کی راہ میں کھاؤں اور اسی چوٹ کا داغ لے کر مالک کے دربار میں حاضر ہو جاؤں“۔ ان کی ہر تحریر، ہر خط، اسی جذبے اور لگن کا آئینہ دار ہے، اور اس مقصد کے لیے ان کی استقامت اور مضبوط کردار کا عکاس۔ آیئے چند جھلکیاں دیکھیں:

علامہ اقبال کے ایما پر بادشاہی مسجد لاہور کی امامت کی پیش کش [۱۹۳۷ء] کے جواب میں مولانا مودودی، سید نذیر نیازی صاحب کو لکھتے ہیں:

”میں نے اپنی زندگی کے لیے چند اصول ایک خاص نصب العین کے ساتھ مقرر کر لیے ہیں اور خدا کے فضل سے میرے اندر اتنی استقامت موجود ہے کہ میں سخت سے سخت مشکلات میں بھی اپنے نصب العین سے ہٹنا اور اپنے اصولوں میں ترمیم کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اس وقت میں جن مشکلات میں مبتلا ہوں وہ تمام تر میری اپنی عائد کی ہوئی پابندیوں کی وجہ سے ہیں، ورنہ یہ طوفان مصائب آج دور ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنے اوپر جو پابندیاں عائد کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں کسی سے اپنی ذات کے لیے کوئی مالی مدد نہ لوں گا۔ دوسری یہ ہے کہ قومی اور مذہبی خدمت کے سلسلے میں کوئی معاوضہ لینے کا خیال بھی نہ کروں گا۔ اور تیسری یہ ہے کہ ایسی منفعت کے لالچ میں اپنے آپ کو گرفتار نہ ہونے دوں گا جو مجھ کو دین و ملت کے مفاد کے لیے اپنی صوابدید کے مطابق آزادانہ کام کرنے سے روکتی ہو (چند پابندیاں اور بھی ہیں، مگر وہ زیر بحث معاملات سے غیر متعلق ہیں)۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جو صورتیں آپ نے بیان فرمائی ہیں، انھیں قبول کرنا میرے لیے کس قدر مشکل ہے۔ میں اپنی ذات کے لیے سو روپے کیا معنی، ایک پیسے کی بھی مدد نہیں چاہتا۔ اپنے ذاتی مصارف کے لیے میں نے ایک تجارتی کام شروع کر رکھا ہے، اسی کو میں لاہور میں بھی کر سکتا ہوں۔ شاہی مسجد کی امامت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس سے بہتر موقع کام کرنے کا اور کیا ہو سکتا ہے، مگر معاوضہ لے کر امامت کرنا میرے نزدیک ناجائز نہیں تو سخت مکروہ ضرور ہے۔ مسلمانوں میں چار سو برس سے یہ مسئلہ متفق علیہ رہا ہے کہ نماز کی امامت اور قرآن کی تعلیم کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ بعد میں حالات کی خرابی نے اس کو جائز کرا دیا، اور اسی وقت سے یہ دونوں منصب ذلیل اور بے روح ہو گئے ہیں۔ میں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، اس لیے معاوضہ لے کر امامت کرنے کا تو خیال بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں، اگر بلا معاوضہ یہ خدمت میرے سپرد کی جائے تو دل و جان سے اس کے لیے حاضر ہوں"۔

"رہی سیاست سے کنارہ کشی تو اس کے لیے میں قطعاً تیار نہیں ہوں۔ میں نے کسی فوری جذبے کے تحت سیاسیات کی طرف قدم نہیں بڑھایا ہے، بلکہ خوب سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اب مجھے گوشہ عزلت سے نکل کر کچھ کرنا چاہیے۔ مسلمان اس وقت سخت خطرے میں مبتلا ہیں۔ جن سے صحیح رہنمائی کی امید نہ تھی انھیں چھوڑیے، جن سے تمام تر امیدیں وابستہ تھیں آج وہ بھی غلط رہنمائی کر رہے ہیں۔ کانگریسی تحریک کے فروغ نے مسلمانوں کے کیمپ میں عام بھگدڑ برپا کر دی ہے۔ روزانہ desertion کی خبریں دھڑا دھڑ چلی آرہی ہیں۔ جواہر لال کی امت عوام میں تیزی کے ساتھ اپنا اثر پھیلا رہی ہے۔ جھانسی کے انتخابات نے ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کی رائے عام کس حد تک متاثر ہو چکی ہے، اور اب کانگریسی اور غیر کانگریسی کے درمیان کتنا تھوڑا margin رہ گیا ہے۔ مسلمان لیڈروں کے بیانات اور اسلامی جرائد کے مضامین پڑھنے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ کس قدر کم آدمی ہیں جو اسلامی ہند کی صحیح پوزیشن کو سمجھتے ہیں اور جن کے سامنے راہ راست بالکل واضح ہے۔ ایسی حالت میں آپ غور کیجیے کہ جو چند گنے چنے آدمی باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے بھی ایک شخص کا اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا، اور وہ بھی ڈیڑھ دو سو کی آمدنی کے لیے، کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اگر میں اس کو جائز سمجھ لوں تو مجھے لاہور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جامعہ عثمانیہ میں چار سو روپے کی جگہ مجھے اس وقت مل رہی ہے، اس کو کیوں نہ قبول کر لوں۔ میں جس غرض کے لیے لاہور کا رخ کرنا چاہتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ میرے نزدیک اسلامی ہند کا فیصلہ (جواب قریب ہی آگیا ہے) شمال کے تینوں صوبوں کی طاقت پر منحصر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس "دارالاسلام" کے قلب میں جا کر بیٹھوں اور دیکھوں کہ وہاں اسلام کی قوت کو بڑھانے اور اس سے کام لینے کے کون سے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہاں پہنچ کر مواقع تلاش کروں گا اور جو موقع بھی مجھ کو ملے گا، اس سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ میں اس قسم کے استفادے کے لیے اپنے دل و دماغ اور دست و پا کو بالکل آزاد رکھنا چاہتا ہوں، اور کسی قیمت پر بھی ایسی کوئی پابندی قبول نہیں کر سکتا، جو دین و ملت کی خدمت کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں مانع ہو"۔ (خطوط مودودی: ۲، ص ۱۸۱۔ ۱۸۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودی کی ذاتی زندگی کا ایک بڑا دل کش پہلو یہ ہے کہ، ان کی نجی زندگی اور تحریکی زندگی اس طرح شیروشکر ہیں جیسے گلاب کی پنکھڑی میں دو مختلف رنگ، بعض اوقات اس طرح باہم پیوست ہوتے ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ۱۹۲۰ سے جبل پور سے ایڈیٹر تاج کی حیثیت سے پہلے خط میں صوبہ متوسط کے دینی اور سیاسی حالات پر اضطراب کا اظہار کرتے ہیں اور مسئلہ خلافت اور مقامات مقدسہ کی تبلیغ و ہدایت کے فروغ کے لیے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو دعوت دیتے ہیں کہ کچھ مبلغ وہاں بھیجیں۔ ۱۹۳۲ سے ترجمان القرآن کے ذریعے اپنی دعوت کا آغاز کرتے ہیں۔ جیسے جیسے برعظیم کے حالات بگڑتے ہیں اور مسلمانوں کو بڑے گھمبیر، فکری، سیاسی اور تہذیبی چیلنجوں سے سابقہ پیش آتا ہے، ویسے ہی ویسے مولانا کا اضطراب بڑھتا ہے۔ پھر وہ ایک عظیم معرکے کے لیے بے چین ہو کر میدان میں کود پڑتے ہیں۔ اس زمانے میں ان کا داعیانہ کردار ابھر کر سامنے آتا ہے اور پھر آخر دم تک یہی ان کی شخصیت کا رنگ غالب رہتا ہے۔ ان کی تحریر ہو یا تقریر، گفتگو ہو یا خط کتابت، ایک ایک لمحہ وہ اس کشمکش کی زندگی کی نذر کر دیتے ہیں اور اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی چلتی پھرتی تصویر بن جاتے ہیں۔

چودھری نیاز علی خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کے ادارہ کی بنیاد پڑتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ مگر مجھ پر کام کا اتنا ہجوم ہے کہ اپنے ذاتی معاملات کی طرف بھی کافی توجہ نہیں کر سکتا۔ کوئی ایک شخص بھی میرا رفیق کار نہیں۔ چھوٹے اور بڑے سب کام مجھ کو تنہا خود ہی کرنے پڑتے ہیں۔ ایک شدید خانگی ضرورت سے بیس روز کے لیے دہلی گیا تھا تو یہاں سارے کام درہم برہم ہو گئے اور اتنا کام میرے سر پر آپڑا کہ اب تک اس سے فارغ نہیں ہو سکا ہوں۔ اب میرے سامنے ایک بڑی مہم درپیش ہے، جس میں مجھے ہمہ تن منہمک ہو جانا پڑے گا۔ میں نے اس مہم کی ابتدا محرم کے ترجمان القرآن سے کر دی ہے اور آیندہ چند مہینوں میں دیکھنا ہے کہ کتنے مددگار ملتے ہیں۔ بہرحال میں یہ تصفیہ کر چکا ہوں کہ خواہ سارے ہندوستان میں ایک بھی ساتھی نہ ملے، میں تنہا اپنی ذات سے اس جنگ کو شروع کروں گا اور آخر وقت تک جاری رکھوں گا۔ قطع نظر اس سے کہ کامیابی ہو یا نہ ہو، مسلمانوں کی اس وقت جو نازک حالت ہے اور جو خطرناک مستقبل ان کے سامنے ہے، اس کو دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ آیندہ دس بیس سال ہندوستان میں اسلام کی قسمت کے لیے فیصلہ کن ہیں۔ اگر اس وقت ہم مدافعت کے لیے کھڑے نہ ہوئے، تو چند سال بعد ہم کو سکون کا کوئی گوشہ نہ ملے گا، جہاں بیٹھ کر ہم کوئی تعمیری کام کر سکیں"۔ (ایضاً، ص ۸۴-۸۸)

اس خط کے آخری الفاظ داعی کی اندرونی کیفیات کی کیسی زبردست ترجمانی کرتے ہیں:

"آپ نے جن جن امور کے متعلق لکھا ہے وہ سب میرے پیش نظر ہیں، اور ان شاء اللہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کی طرف، جیسے جیسے فرصت ملے گی، توجہ کرتا رہوں گا، مگر آج کل میرے خیالات میں ایک ہلچل برپا ہے، جس نے مجھے پرسکون تفکر کے قابل نہیں رکھا۔ دہلی سے ایک آگ اپنے سینے میں لایا ہوں اور ہر لمحہ یہ فکر دامن گیر ہے کہ اب کیا کروں۔ (ایضاً، ص ۸۹)

۱۹۳۷ء ہی کے ایک اور خط میں چودھری نیاز علی خاں صاحب کو لکھتے ہیں:

"میں خود اب یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اصل میدان مقابلہ شمالی ہندوستان ہے۔ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ وہیں ہوگا، اور اسی فیصلہ کے اثرات سارے ہندوستان میں پھیلیں گے۔ لہٰذا اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہاں سے ہجرت کروں اور شمالی ہند میں کسی جگہ قیام کروں۔ لیکن دارالہجرت کے انتخاب میں ابھی متردد ہوں۔ محرم کے اشارات شائع ہونے کے بعد سے بکثرت خطوط آ رہے ہیں، جن میں مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ راہ عمل تجویز کرو۔ میں بے صبری کے ساتھ کام کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ پورے غور و خوض کے ساتھ ایک نقشہ جنگ بنا رہا ہوں۔ ان شاء اللہ دو تین مہینے میں یہ نقشہ مکمل ہو جائے گا۔ اس کو شائع کرنے کے بعد من انصاری الی اللہ کی آواز بلند کروں گا اور صرف ایسے لوگوں کو دعوت دوں گا، جو وقت آنے پر یہ نہ کہہ دیں کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ"۔ (ایضاً، ص ۹۶-۹۹)

دور جدید کے حالات اور ان کے فتنوں کے گہرے مطالعے کے بعد مولانا مودودی اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا مقابلہ جامد مذہبیت سے ممکن نہیں، اس کے لیے تو اسلام کو ایک عالم گیر انقلابی تحریک کی حیثیت سے ابھرنا اور زندگی کے نقشے کو بدلنا ہوگا۔ مغربی اور اشتراکی سامراج کی تباہ کاریوں کا کوئی مقابلہ اگر ممکن ہے تو وہ اسلام کے اس انقلابی تصور ہی سے ہو سکتا ہے۔ ۱۹۴۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"کوشش کر رہا ہوں کہ مہاجرین ترکستان سے ان کی پوری داستان قلم بند کراؤں اور اسے سلیس اردو میں لکھوا کر شائع کر دوں۔ روس کی بلا اب دوسرے مسلمان ملکوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ طرابلس، مصواع اور درہ دانیال پر اس کا دانت ہے۔ سویز اور طنجہ کے انتظام میں وہ دخیل ہو چکا ہے۔ فلسطین و شام میں کمیونسٹ ایجنٹ کام کر رہے ہیں، اور ایران پر اس کی گرفت مضبوط ہو رہی ہے۔ انگریزی اور فرانسیسی امپیریلزم نے جو کسر چھوڑ دی ہے، اب یہ تازہ بلا اسے پورا کیا چاہتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مسلمان ملکوں کی قوم پرستانہ تحریکیں اس عالم گیر انقلابی تحریک کے مقابلے میں ٹھیر سکیں گی۔ اگر مسلمان ملکوں میں دعوت اسلامی کا علم بلند کرنے والی کوئی طاقت نہ اٹھی، تو یہ فتنہ دجال کسی کے روکے نہ رک سکے گا"۔ (ایضاً، ص ۴۰)

اسی طرح اپنے بچوں کی تربیت اور ان کے بارے میں اپنے عزائم کا اظہار کرتے ہیں، تو انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی جدوجہد کے لیے تیار کرنے کی فکر غالب ہے:

"اگر موسم اجازت دے تو اپنے ساتھ دونوں بڑے بچوں کو بھی لے آئیں..... پہلے میں نے اس لیے بچوں کو لانے سے منع کر رکھا تھا کہ بچوں کے ذہن پر یہاں کے ماحول کا برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا، مگر اب غور کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انھیں یہ جگہ ضرور دکھا دینی چاہیے۔ کیا عجب کہ کل جو نسل اٹھنے والی ہے، وہ موجودہ نسل سے بھی زیادہ بگڑی ہوئی ہو اور اس کے مقابلے میں ان لوگوں کو ہم سے بھی زیادہ سخت جدوجہد کرنی پڑے۔ میں اپنی اولاد کو عیش کے لیے نہیں پالنا چاہتا، بلکہ خیر کی خدمت اور شر سے جنگ کے لیے پالنا چاہتا ہوں"۔ (ایضاً، ص ۲۲۷)

دوستوں اور احباب کے اندر بھی وہ یہی چنگاری سلگانے کے لیے مضطرب ہیں۔ نذیر قریشی صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میرے لیے یہ خبر نہایت مسرت کی موجب ہے کہ آپ اپنی زندگی کا آخری حصہ میرے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں، مگر اس میں دیر کیوں ہے؟ کیا آپ کو اپنی تاریخ وفات معلوم ہو چکی ہے، جس کے لحاظ سے آپ نے تعین کر لیا ہے کہ آخری حصہ عمر فی الواقع کون سا ہے؟" (ایضاً، ص ۲۴-۲۵)

چودھری نیاز علی خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آپ کے اندر بڑھاپے کا احساس پیدا ہو جانا موجب تشویش ہے۔ اصل بڑھاپا عمر کا نہیں بلکہ بوڑھے ہونے کے احساس کا ہے۔ اس احساس کو آپ نہ پیدا ہونے دیں اور جس مستعدی کے ساتھ آج تک کام کرتے رہے ہیں، اسی مستعدی کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم اور قوت کو برقرار رکھے"۔ (ایضاً، ص ۱۶۵)

داعی کی کیفیات اور انقلابی عزائم کا بہترین اظہار اس خط میں ہوتا ہے جو استاذ مولانا حمید الدین فراہی کے چھوٹے بھائی استاذ رشید الدین فراہی کو دارالاسلام سے دسمبر ۱۹۴۴ میں لکھتے ہیں۔ یہ ایک بڑا نازک مسئلہ تھا۔ مولانا رشید الدین چاہتے تھے کہ مولانا امین احسن اصلاحی کا تعلق دارالاصلاح سے حسب سابق برقرار رہے، خواہ اس کی شکل یہ ہو کہ نصف وقت مدرسہ کے لیے ہو اور نصف جماعت اسلامی کے لیے۔ ایسے بزرگ سے معذرت کرنا بڑا مشکل کام تھا اور مولانا مودودی اپنے جواب کا اس میں اظہار بھی کرتے ہیں کہ "آپ جیسے مخلص و مشفق بزرگ کی بات رد کرتے ہوئے مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے"۔ لیکن دعوت کے تقاضوں اور نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے جن مردان کار اور جس کردار کی ضرورت ہے اس کا اظہار اس طرح کرتے ہیں، جس سے داعی کے فکر، عزم اور حوصلے کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے اور بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ

ع سینہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی خط کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

"مولانا امین احسن صاحب کا تعلق مدرسہ اصلاح سے فی الواقع ویسا ہی استوار تھا جیسا جناب نے تحریر فرمایا ہے، اور فی الحقیقت اب سے دو تین سال پہلے تک وہ خود بھی اس بات کا تصور نہ کر سکتے تھے کہ کبھی ان کا اور مدرسے کا یہ تعلق ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ لیکن اپنے مدت العمر کے مطالعہ کتاب و سنت سے ہم لوگوں پر دین کی جو حقیقت کھلی ہے اور اس کے مطالبات و مقتضیات کا جو علم حاصل ہوا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمیں اپنے عزیز ترین اور محکم ترین تعلقات کو بھی دل پر پتھر رکھ کر صرف اس وجہ سے توڑنا پڑا ہے کہ، دین کی خدمت کا جو راستہ ہمارے سامنے واضح ہو چکا ہے، اس پر چلنے کے لیے آزاد ہو جائیں۔ ہم اب اس چیز سے بالکل مطمئن نہیں ہیں کہ خدا سے پھری ہوئی اس دنیا میں بس کچھ لوگ خدا اور اس کے دین کا نام لینے والے موجود رہیں اور کفر سے مغلوبیت کی حالت میں جتنی گنجایش دین کے لیے رہ جائے، اس کو کچھ اپنے مذہبی اعمال و اقوال سے پر کرتے رہیں۔ ہمارے نزدیک یہ صورت حال نہ تو دین حق کو گوارا ہے اور نہ اس میں سچی دین داری زیادہ مدت تک زندہ رہ سکتی ہے، مگر ہمارے یہ مذہبی مدرسے جو آج کل مکتب میں قائم ہیں، زیادہ سے زیادہ بس یہی خدمت انجام دے سکتے ہیں اور اس سے آگے کے لیے ان میں کچھ گنجایش نہیں ہے۔ اس لیے جہاں ہم موجودہ صورت حال سے غیر مطمئن ہیں، ان مدارس سے بھی ہمارا اطمینان اٹھ گیا ہے اور ان میں کام کرنے کو ہم اپنے وقت اور اپنی قوتوں کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک مقصد واضح طور پر آ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو اور کفر و کفار اس سے دب کر رہیں۔ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ۔ اس مقصد کے لیے ہم نے خوب سوچ سمجھ کر جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس پر عمل کرنے میں ہم اپنی تمام قوت صرف کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا کسی دوسرے کام میں، خواہ وہ بجائے خود کتنا ہی نیک کام ہو، اپنا ایک لمحہ صرف کرنا بھی ہمیں کھلتا ہے کیونکہ جس وقت کو اس مقصد عظیم کی خدمت میں صرف ہونا چاہیے اسے فروتر کاموں میں صرف کرنا حکمت کے خلاف ہے"۔

(ایضاً، ص ۳۰۰-۳۰۱)

مدرسے سے تحریک تک جو سفر داعی اور اس کے ساتھیوں نے کیا ہے، اس کی بڑی حسین عکاسی جگر مرادآبادی کے آخری دور کے ان اشعار میں ہوتی ہے:

سلامت تو، ترا میخانہ، تیری انجمن ساقی
مجھے کرنا ہے اب کچھ خدمت دار و رسن ساقی
کبھی میں بھی تھا شاہد دربغل توبہ شکن میکش
مگر بننا ہے اب خنجر بکف ساغر شکن ساقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مجموعہ مکاتیب کے صفحے صفحے پر داعی کی شخصیت کا یہ رخ دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ خود اس انقلابی کردار کا نمونہ ہے اور اس سانچے میں سب کو ڈھال دینا چاہتا ہے۔ مولانا نذیر الحق میرٹھی دعوت پر لبیک کہنے والے اولیں افراد میں سے تھے۔ جب وہ اس راہ میں قدم اٹھاتے ہیں تو انھیں پے بہ پے آزمائشیں گھیر لیتی ہیں۔ ہمت بندھاتے ہوئے ان کو ۱۹۳۹ میں لکھتے ہیں:

"یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ان پریشان کن حالات میں بھی آپ اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں اور احمد آباد میں قرآنی نصب العین کی طرف دعوت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ یہی ایک مسلمان کی شان ہونی چاہیے۔ آغاز اسلام کے دور میں ہر شخص جو مسلمان ہوتا تھا' اس کے دل میں سب سے بڑھ کر جس چیز کی تڑپ ہوتی تھی' وہ یہ تھی کہ اپنے ابنائے نوع کو اس نعمت میں شریک کرے جو اسے حاصل ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر حقیقت میں حق منکشف ہو جاتا تھا اور انکشاف حق کا یہ فطری خاصہ ہے کہ وہ آدمی کے دل میں ایک آگ سی لگا دیتا ہے' جو اسے ہر وقت تبلیغ حق کے لیے بے چین رکھتی ہے۔ بعد کے ادوار میں یہ تڑپ کم ہوتی گئی' حتیٰ کہ مفقود ہو کر رہ گئی' کیوں کہ لوگ پیدائشی مسلمان ہونے لگے۔ اب ان پر حق منکشف نہیں ہوتا' بلکہ میراث میں ملتا ہے اور کون ہے جو میراث میں دوسروں کو شریک کرنے کے لیے بے چین ہوتا ہو؟ پس اگر ہم محض پیدائشی اور موروثی مسلمان نہیں ہیں' بلکہ ہم پر حق منکشف ہوا ہے اور ہم از سر نو ایمان لائے ہیں تو ہمارے اندر نو مسلمانہ جوش ہونا چاہیے۔ ہمیں اس طرح کام کرنا چاہیے' جس طرح طاعون یا ہیضہ کی وبا کے زمانے میں ایک سچا خادم خلق اپنے آرام اور اپنے کھانے پینے کو بھول جاتا ہے' اور اپنی بستی کے مریضوں کو دوا پلاتا اور ان کی دیکھ بھال کرتا پھرتا ہے' تاکہ انھیں ہلاکت سے بچائے"۔ (ایضاً' ص ۲۲۸-۲۲۹)

راہ حق میں عزیمت سید مودودی کے کردار کا ایک بڑا نمایاں پہلو ہے۔ خطوط میں بھی اس کا اظہار جگہ جگہ ہوتا ہے۔ ایک جگہ خود اپنی گرفتاری اور اہل خانہ اور تحریکی ساتھیوں کی ان کوششوں کے بارے میں جو وہ مولانا محترم کی رہائی کے لیے کرنا چاہتے ہیں' اپنے عزم کا اظہار اپنے بڑے بھائی جناب سید ابو الخیر مودودی کے نام ایک خط میں نئی سنٹرل جیل' ملتان سے اس طرح کرتے ہیں:

"آپ لوگ جب کبھی میری رہائی کے لیے کسی کوشش کا خیال ظاہر کرتے ہیں' میں آپ کو اس سے منع نہیں کرتا' صرف اس وجہ سے کہ آپ لوگوں کی اور خصوصاً والدہ صاحبہ کی دل شکنی مجھے گوارا نہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ ایک فضول اور غیر ضروری کام ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ ذرا صبر سے کام لیں۔ دیکھتے رہیں کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوتا ہے۔ میرا عمر بھر کا مطالعہ مجھے بتاتا ہے کہ دنیا میں کبھی وہ طاقتیں زندہ نہیں رہ سکی ہیں' جنھوں نے قلعوں میں پناہ لینے کی کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہے، کیونکہ میدان کے مقابلے سے جی چرانا اور قلعوں کے پیچھے چھپنا بزدلی کی کھلی علامت ہے، اور خدا نے اپنی یہ زمین بزدلوں کی فرمانروائی کے لیے نہیں بنائی ہے۔ اسی طرح میرا مطالعہ مجھے یہ بھی بتاتا ہے کہ جن لوگوں کا کاروبار جھوٹ اور فریب اور مکر کے بل پر چلتا ہے، اور جن کے لیے حقیقت و صداقت کی روشنی میں آجانا "خطرے" کا حکم رکھتا ہے، اور جن کو اپنی حکمرانی کی حفاظت کے لیے سیفٹی قسم کے قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے، ایسے اخلاقی بزدلوں کی چوبی ہنڈیا زیادہ دیر تک چولھے پر نہ کبھی چڑھی رہ سکی ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔ یہ چیز عقل کے خلاف ہے، قانون فطرت کے خلاف ہے اور ہزارہا برس کے تاریخی تجربات اس پر شاہد ہیں کہ ان سہاروں پر جینے والے تھوڑی دیر کے لیے چاہے کتنا ہی زور باندھ لیں، بہرحال وہ دیر تک نہیں جی سکتے۔ میں اپنی خاطر نہیں، خود ان لوگوں کی خاطر ہی یہ چاہتا تھا کہ یہ ہوش کے ناخن لیں اور سیدھے سیدھے بھلے آدمیوں کی طرح کام کریں۔ اس لیے میں نے باہر بھی انھیں سمجھانے کی کوشش کی اور اب اندر سے بھی اتمام حجت کر دیا۔ اب اگر یہ دنیا کی ہزاروں مرتبہ آزمائی ہوئی حماقتوں کا تجربہ کرنے ہی پر مصر ہیں تو انھیں تجربہ کر لینے دو"۔ (ایضاً، ص ۳۴۲-۳۴۳)

اس مجموعے میں مولانا مودودی کا وہ خط بھی شامل ہے، جو انھوں نے اتحاد المسلمین، حیدرآباد، دکن کے قائدین کے نام ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ کو لکھا تھا۔ یہ خط مولانا مرحوم کی سیاسی بصیرت اور برعظیم کے حالات پر ان کی گرفت کا آئینہ دار ہے۔ ان کے تجزیئے کا یہ حصہ کتنا سچا اور سبق آموز ہے:

"ہندوستان کے مسلمانوں نے ابھی ابھی اپنا جو انجام دیکھا ہے اور دیکھ رہے ہیں، وہ دراصل خمیازہ ہے، ان کوتاہیوں کا جو پچھلی صدیوں میں ہمارے حکمران، ہمارے امرا، ہمارے مذہبی پیشواؤں کا ایک بڑا گروہ اور باستثنا چند، ہمارے عام اہل ملت اپنے اس فرض کی ادائی میں برتتے رہے ہیں، جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتا تھا۔ اگر وہ اسلام کی صحیح نمایندگی کرتے، اگر وہ اپنے اخلاق اور معاملات اور اپنی سیرتوں میں اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرتے، اور اگر اپنی سیاست اور حکمرانی میں عدل و انصاف پر قائم رہتے، اور اپنی طاقتوں کو اسلام کی سچائی پھیلانے میں صرف کرتے تو آج دہلی اور مغربی یوپی اور مشرقی پنجاب سے مسلمان اس طرح بیک بنی و دوگوش نہ نکال دیے جاتے جیسے اس وقت نکالے گئے ہیں، اور یوپی، بہار اور وسط ہند میں ان کے سر پر اس طرح تباہی منڈلا رہی نہ ہوتی جیسی آج منڈلا رہی ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں سات آٹھ سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار رہا ہے، جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی عظیم الشان جاگیریں، حیدرآباد کی پائیگاہوں سے کئی گنی زیادہ بڑی جاگیریں قائم رہی ہیں اور جہاں مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے علوم و فنون کے عظیم الشان مرکز موجود رہے ہیں۔ لیکن عیش، دنیا میں انہماک، فوجی طاقت اور سیاسی اقتدار پر انحصار، اسلام کی دعوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھیلانے سے تغافل اور انفرادی سیرتوں اور اجتماعی طرزِ عمل میں اسلام کے اخلاقی اصولوں سے انحراف کا یہ نتیجہ ہوا، کہ ان علاقوں کی عام آبادی غیر مسلم رہی، مسلمان ان کے درمیان آٹے میں نمک کے برابر رہے اور دلوں کو مسخر کرنے کی بجائے معاشی اور سیاسی دباؤ سے گردنیں اپنے سامنے جھکوانے پر اکتفا کرتے رہے۔ پھر جب سیاسی اقتدار ان سے چھنا اور ایک غیر ملکی قوم ان پر مسلط ہوئی، تب بھی انھوں نے اور ان کے رہنماؤں نے ان اسباب کو سمجھنے کی کوشش نہ کی، جن کی بنا پر وہ حاکم سے محکوم بن کر رہ گئے تھے، بلکہ انھوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے بل پر جینے کی کوشش کی اور اپنے سیاسی مطالبے اور دعوے کو ہمسایہ اکثریت کے مقابلے میں اس تیسری طاقت سے، جس کے اقتدار کو بہرحال عارضی ہی ہونا تھا، منواتے رہے۔ اس تمام مدت میں زندگی کی جو مہلت مسلمانوں کو ملی تھی، اس میں اپنی اخلاقی اصلاح کرنے اور اپنے بزرگوں کی غلطیوں کی تلافی کرنے کے بجائے مسلمان محض معاشی اور سیاسی فائدوں کے لیے غیر مسلم اکثریت کے ساتھ کشمکش کر کے بظاہر یہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے جینے کا سامان کر رہے ہیں، لیکن دراصل اپنی قبر کھود رہے تھے۔ آخرکار آج ہماری بدقسمت آنکھوں نے دیکھ لیا کہ بہت سے تو اس قبر میں دفن ہو گئے اور بہت سے زندہ درگور ہیں"۔ (ایضاً، ص ۳۰۸-۳۰۹)

مولانا نے جو مشورے حیدرآباد کی مسلم قیادت کو دیے تھے، ان کو اس قیادت نے درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور چند ماہ بعد سلطنت آصفیہ کی پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہی، اور اقبال نے جو کچھ سسلی کے بارے میں کہا تھا اس کی مصداق ہو گئی ع وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار۔

مولانا مودودی کے مکاتیب میں تعلیم اور اس کے مسائل کا ذکر بار بار آتا ہے۔ بات حال کے تجزیے کی ہو یا مستقبل کی منصوبہ بندی کی ـــــ تعلیمی بگاڑ اور اس کی اصلاح مولانا مودودی کا خاص موضوع ہے۔ البتہ وہ تعلیم کو بھی حق و باطل کی اس کشمکش کے پس منظر میں دیکھتے ہیں جو آج عالم اسلام میں برپا ہے۔ کراچی یونی ورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے میگزین "الجامعہ" کو جو پیغام خط کی شکل میں ۲۵ جنوری ۱۹۷۳ کو بھیجا گیا، اس میں فرماتے ہیں:

"طالب علم ہونے کی حیثیت میں آپ لوگوں کا اولین فریضہ تحصیل علم ہے، لیکن ہمارا وطن عزیز جس اندوہناک سلسلہ حادثات سے دوچار ہے، اس سے پاکستان کا کوئی بھی نوجوان، بوڑھا، پڑھا لکھا، اَن پڑھ بے تعلق یا غیر متاثر نہیں رہ سکتا۔ اس وقت ہمارے جسدِ ملت کا آدھا حصہ کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے اور بقیہ کی جان کے لالے پڑ چکے ہیں۔

اس لیے پوری قوم کے ساتھ اس کے تعلیم یافتہ اور جوان طبقے کو بھی پورے غور و فکر کے ساتھ اور آنکھیں کھول کر یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی بنا پر ہمیں یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری رسوائی و ناکامی کی بنیادی وجہ منافقت اور ہمارے قول و فعل کا تضاد ہے۔ ہم کفار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تسلط اور بھائی چارے سے یہ کہہ کر الگ ہوئے تھے کہ ہمارا راستہ ہر لحاظ سے ان سے جدا ہے۔ لیکن آزادی و استقلال کے بعد ہم نے وہ نظام تعلیم، وہ نظام حکومت، وہ نظام معیشت و معاشرت اختیار کیے رکھا اور اسی پر اب تک مُصر ہیں جو کفار کے لیے بھی باعث عار ہو، مگر نام ہم اب تک اسلام، اسلامی مساوات، اسلامی ثقافت اور اسلامی اقدار کا لیے چلے جا رہے ہیں۔ جب تک اس دو رنگی کا خاتمہ نہ ہو گا، ہمارے مصائب و آلام کا بھی خاتمہ نہ ہو گا۔ کفر کے مقابلے میں اسلام غالب آ سکتا ہے، مگر کفر کے بالمقابل نفاق سرخرو نہیں ہو سکتا"۔ (ایضاً، ص ۵۰۱-۵۰۲)

تزکیہ اور تعلیم اور حکمت و دعوت کے نقطہ نظر سے بھی ان خطوں میں بڑا خزانہ موجود ہے۔ صحیح اسلامی تربیت کا تصور اپنے ایک خط میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"سب سے بڑی چیز جس کی اس وقت کمی نظر آ رہی ہے، وہ صحیح اسلامی تربیت ہے۔ جدید مدارس تو خیر انگریزی اغراض کے لیے قائم ہوئے ہیں، مگر ہمارے قدیم عربی مدرسے اور قومی ادارے بھی اس باب میں ناقص ہیں۔ خانقاہ میں ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے، جہاں "شیخ" اور "مرید" (یہ لفظ میں مجبوراً استعمال کر رہا ہوں، اصطلاحی مفہوم مراد نہیں ہے) دونوں اپنی اصلاح کریں اور ایک دوسرے کی تربیت کریں، اور باہر کا جتنا زنگ ہر ایک پر کم یا زیادہ چڑھ گیا ہے، اس کو سب مل کر ایک دوسرے پر سے کھرچیں اور آپس کی معاونت سے ایک دوسرے میں خالص اسلامی سیرت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ وہاں احتساب نفس پہلے ہو، پھر النصح للہ کے اصول پر عمل کیا جائے، اور مداہنت سے سخت پرہیز کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ اور اکابر اسلام کی زندگیاں پیش نظر رکھی جائیں اور خصوصیت کے ساتھ ان طریقوں کی پیروی کی جائے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت فرمائی تھی"۔ (ایضاً، ص ۵۷)

اسی طرح تعلیمی اور تحقیقی اداروں میں نماز اور روزے کی پابندی کی اہمیت بیان کرتے ہیں، لیکن روح عبادت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں:

"نماز اور روزے کی سخت پابندی ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ انتہائی کوشش کی جائے کہ اوامر کے اتباع اور نواہی سے اجتناب کیا جائے اور یہ پابندی شریعت مجبورانہ نہ ہو بلکہ بطوع و رغبت خود اپنے نفس کے میلان سے ہو۔ ادارے کی اصلی خوبی یہی ہونی چاہیے کہ وہاں کی آب و ہوا میں اسلامیت کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ نیکیاں خود بخود نشوونما پانے لگیں اور شرور و عصیاں کے بیج خود بخود جل کر رہ جائیں"۔ (ایضاً، ص ۵۸)

تحریک کے نہایت قیمتی رفیق اور اپنے عزیز ساتھی ڈاکٹر نذیر احمد شہید کو ان کی اعتکاف میں مانگی جانے والی دعا کے سلسلے میں بڑے پیار سے متوجہ کرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اعتکاف میں آپ نے جو دعا مانگی ہے، اس کے آخری حصے سے آپ اجتناب ہی کرتے تو بہتر تھا۔ ہمارا کام بد دعا کرنا نہیں ہے۔ ہمیں ہروقت اللہ سے اپنے حق میں بھی دعاے خیر کرنی چاہیے اور دوسروں کے حق میں بھی۔ ہمیں بیمار سے نہیں، اس کی بیماری سے نفرت ہے۔ انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بدتر سے بدتر بیمار پر بھی رحم کھائیں اور خدا سے یہی چاہیں کہ وہ اس کی بیماری کو رفع کر دے۔ باقی رہا خدا کا اور اس کا معاملہ، تو وہ ان شاء اللہ پورے انصاف کے ساتھ ہو گا اور جس نے بھی نیت کی خرابی کے ساتھ دین حق کے کام میں خرابی ڈالی ہو گی اور مرنے سے پہلے توبہ و اصلاح نہ کی ہو گی، وہ خدا کی پکڑ سے نہ بچ سکے گا"۔ (ایضاً، ص ۴۲۸)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو لکھنؤ میں اپنے قیام کے انتظامات کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں۔ بات صرف قیام کی جگہ کی ہے، لیکن دیکھیے کس طرح داعی کی شخصیت اور اس کے عزائم اور ترجیحات کی غمازی کرتی ہے:

"عنایت نامہ ابھی ملا اور آج ہی اتفاق کی بات ہے کہ نواب صاحب چھتاری کا خط آیا جس میں انھوں نے ایک کمیٹی کی شرکت کے لیے مجھے لکھنؤ آنے کی دعوت دی ہے۔ ان نوابوں اور ان کی کمیٹیوں سے تو مجھے کوئی دلچسپی نہیں اور اگر محض ان کی کمیٹی میں شرکت کا معاملہ ہوتا تو میں ٹال دیتا، مگر اس بہانے "ندوہ" سے اور آپ کے رفقاے کار سے براہ راست تعلق قائم کرنے کا ایک موقع ہاتھ آتا ہے۔ اس لیے میں نے لکھنؤ حاضر ہونے کا تہیہ کر لیا ہے۔ میں ان شاء اللہ ۳ جنوری کو لکھنؤ پہنچوں گا۔ میرے قیام کے لیے کوئی مناسب انتظام کرنا آپ کے ذمے ہے۔ میں کسی ایسی جگہ ٹھیرنا چاہتا ہوں جہاں ہر قسم کے لوگ مجھ سے مل سکیں اور آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔ علی گڑھ میں، میں نے اولڈ بوائز لاج کو پسند کیا تھا، اس کا یہ فائدہ ہوا کہ ہر خیال اور ہر گروہ کے آدمی مجھ سے بے تکلف ملے۔ ایسی ہی کوئی جگہ میں لکھنؤ میں چاہتا ہوں۔ میں چونکہ بے ہمہ ہوں اس لیے خدا نے مجھے باہمہ بھی بنا دیا ہے۔ سخت قسم کے دہریے اور کمیونسٹ بھی مجھ سے اسی طرح ملتے ہیں جس طرح مومنین، صادقین، اور ان لوگوں سے بات چیت کرنے میں ایسی جگہ آسانی رہتی ہے، جہاں وہ شخصیتیں نہ ہوں جن سے یہ لوگ باتکلف گفتگو کرنے پر مجبور ہوتے ہیں"۔ (ایضاً، ص ۲۶۱-۲۶۲)

جیسا کہ ہم نے عرض کیا مولانا مودودی کے خطوط کا اصل محور اسلامی فکر اور تحریک اسلامی کی دعوت ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان خطوں کی حیثیت ایک قوس قزح کی سی ہے، جس میں بہت سے نشاط آگیں رنگ جمع ہیں۔ جس طرح کسی نے علامہ محمد اقبال کے بارے میں کہا تھا کہ ان کا کلام خیالات اور تصورات کا ایک شیش محل (museum of ideas) ہے، بالکل اسی طرح مولانا مودودی کے خطوط فکر و فن کے ہزار رنگ لیے ہوئے ہیں۔ ان خطوں کا اصل موضوع تو فلسفہ، کلام،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست ' دعوت اور تزکیہ ہی ہیں ' لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ ادبی نکات اور ان کی تشریح و توضیح سے خالی ہوں ۔ جناب فروغ احمد صاحب کی ایک نظم پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"فروغ صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اپنی عمدہ شاعرانہ صلاحیت کو انسانیت کے بھٹکانے میں نہیں ' بلکہ اس کو راہ راست کی طرف لانے کے لیے استعمال کیا ہے ۔ کوئی شعر و ادب محض اپنی لفظی و معنوی خوبیوں کی بنا پر قابل قدر نہیں ہے ۔ وہ اگر زندگی کی صلاح و فلاح کے لیے کام نہیں کرتا تو ذہن کی عیاشی اور ارباب نشاط کی سی عشوہ گری ہے اور اگر زندگی کو بگاڑنے کے لیے کام کرتا ہے تو میٹھا زہر ہے ۔ قدر کے قابل وہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب اس کا حسن زندگی کے جمال میں اضافے کا موجب ہو رہا ہو" (ایضاً ' ص ۵۰۰)

اردو سے انگریزی میں ترجمہ کے اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی اور اپنے لائق دوست ڈاکٹر سید عبداللطیف کی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں :

"تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ آپ کا ترجمہ دیکھنے کے بعد میں نے مختصراً اپنی رائے لکھ کر اپنے دوست ڈاکٹر سید عبداللطیف کے پاس اسے بھیج دیا تھا ۔ یہ صاحب عثمانیہ یونی ورسٹی میں انگریزی ادب کے سینئر پروفیسر ہیں اور بہترین انگریزی لکھنے والوں میں سے ایک ہیں ۔ ان کے پاس سے جواب آنے میں بہت دیر ہوگئی ۔ انھوں نے پورے ترجمہ کو پڑھ کر میری رائے سے اتفاق کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مفہوم آپ نے پورا ادا کر دیا ہے ' مگر اصل کی پابندی میں زبان کی ادبیت کو قربان کر دیا ۔ ترجمہ لفظ بلفظ ہونے کے بجائے اگر free ہوتا اور صرف مفہوم کو سمجھ کر انگریزی زبان میں اس کو ادا کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا ۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اس کو درست کرنا نیا ترجمہ کرنے سے زیادہ مشکل ہے" ۔ (ایضاً ' ص ۵۵)

مشرقی پاکستان کے نامور مفکر اور ادیب فرخ احمد صاحب کے انتقال پر ان کے صاحبزادے سید عبداللہ المسعود کو لکھتے ہیں :

"فرخ احمد صاحب کی ادبی تخلیقات "ست ساگر رماجھی" (سات سمندروں کا ملاح) سراجا منیرا اور حاتم طائی وغیرہ بنگلہ اسلامی ادب کے شاہکار ہیں ۔ فرخ احمد صاحب کو علامہ اقبال سے والہانہ عشق تھا اور انھوں نے اردو اور فارسی اساتذہ کی مدد سے اقبالیات کا تفصیلی مطالعہ کر کے ان سے روشنی و رہنمائی حاصل کی تھی اور بہت سی نظموں کا بنگلہ میں ترجمہ کیا تھا ۔ وہ اپنے انداز تخاطب اور زبان و بیان میں ٹیگور کے مدمقابل تھے ۔ اگرچہ دونوں کے پیش نظر مقاصد یکسر مختلف تھے ۔ نام نہاد ترقی پسند انھیں ہمیشہ رجعت پسند مسلمان قرار دیتے تھے ' لیکن مرحوم اسے اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے ۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے ' مگر اللہ نے انھیں معجزانہ طور پر بچالیا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بنگلہ دیش" بنے تین سال گزر چکے لیکن انھوں نے اس کے حق میں آج تک ایک لفظ تک نہ کہا یا لکھا"۔ (ایضاً، ص ۵۱۴)

جیلانی بی اے کے شوق افسانہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپ کی طبیعت کا رجحان اگر مختصر افسانے لکھنے کی طرف ہے تو اس کو نشوونما دیجیے اور بڑے بڑے افسانہ نگاروں کے افسانے بکثرت دیکھ کر یہ سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ کسی خاص نقطہ نظر کو ناظرین کے ذہن میں غیر محسوس طور پر افسانے کے ذریعے سے اتار دینے کا کیا طریقہ ہے۔ افسانے کے عیوب میں سے یہ ایک بڑا عیب ہے کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہو جائے کہ افسانہ نگار ان کے اندر کیا نقش بٹھانا چاہتا ہے اور افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جو نقش آپ بٹھانا چاہتے ہیں وہ آپ سے آپ بیٹھ جائے، بغیر اس کے کہ قاری کا ذہن قبل از وقت چوکنا ہو کر اس اثر کو resist کرنے پر آمادہ ہو۔ اس فن کو خصوصیت کے ساتھ روسی افسانہ نگاروں سے سیکھیے جنھوں نے اشتراکیت کی تبلیغ میں اس سے بہت کام لیا ہے۔ آپ اپنی ایک نہیں بلکہ دو چار کہانیاں مجھے نمونے کے طور پر بھیجیں، میں انھیں دیکھ کر پھر آپ کو رائے دوں گا۔

"ایک اور طریقہ کھلم کھلا افسانے کے ذریعے سے کسی چیز کی تبلیغ کرنے کا بھی ہے، مگر اس صورت میں لکھنے والے کو بہت زیادہ قادر الکلام اور قوی الاستدلال ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے زور بیان سے ناظرین کو اپنے ساتھ بہالے جائے۔ میں آپ کے افسانے دیکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کروں گا کہ آپ ان دونوں طریقوں میں سے کس طریقے میں کامیاب ہو سکیں گے"۔ (ایضاً، ص ۲۸۹) (جاری)

سید مودودی کی شخصیت کا دلآویز مرقع

خطوطِ مودودیؒ

حصہ دوم

مرتبہ: رفیع الدین ہاشمی، سلیم منصور خالد

سید مودودی کے علمی افکار کا مخزن، ان کے مقاصد، امنگوں اور آرزوں کا آئینہ

150 خطوط — 558 صفحات — قیمت: -/300

دو یا دو سے زائد کتابیں طلب کرنے پر 33% رعایت

(۱) منشورات۔ منصورہ لاہور 54570 فیکس: 042-7832194

(۲) مکتبہ معارف اسلامی D-35/5 فیڈرل بی ایریا۔ کراچی 75950 (۳) بک پروموٹرز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ مرکز F-7 اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیک خواہشات کے ساتھ

منجانب

TATA TEXTILE MILLS LTD.	Ph: (H.O.):242-6761 (3 LINES)
ISLAND TEXTILE MILLS LTD	(DIR)2426202Fax:2417710
SALFI TEXTILE MILLS LTD	LANDHI :7738228, Fax 7738637,
TATA ENERGY LTD	KOTRI :870932, 870979,
8,8TH FLOOR, TEXTILE PLAZA	870237 Fax 870260
M.A.JINNAH ROAD	MUZAFFAR GARH:32062Fax:32662
KARACHI - 74000	MOB:0342 335814
PAKISTAN.	HOME: (KAR) 4542090/4547515

WELCOME TRADERS Leading Exporters of Pakistani Publications

بیرون ملک ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے درج ذیل سے رابطہ کیجیے

		Tel:	Fax:
Dhahran	Al Adabia Publishers	8645121	8954869
Doha	Al Shahwani Library	437551	---
Kuwait	Al Majadi Book Shop	2463764	2440657
Muscat	Muttrah Book Shop	795030	---
Bradford	Book Centre	727864	728136
Copenhagen	Vimpex	31314381	---
New York	Asian Publications	429-5577	---

ویلکم ٹریڈرز

189-C, Block-2, P.E.C.H.S., Karachi-75400 Pakistan.
Tel: 435513 - 441035, Telex: 23944 WELCM PK, Fax: 435885

© rasailojaraid.com